عصمت چغتائی: ایک مطالعہ

ڈاکٹر گلشن طارق

Dr. Gulshan Tariq

Dean Faculty of Languages,

Lahore Garrsion University, Lahore.

Abstract:

Asmat Chughtai is included in the parade of progressive writers. She tried her hand in prose including fiction, drama, novel, caricature/ sketch writing and memoir. Her themes were such that even the male writers did not dare to venture on. Subjects such as social inequalities, sexuality, psychology, gender disparity were her favourite. In this thesis an attempt has been made to encompass the craft of Asmat Chughtai.

عصمت چغتائی جس عہد میں سانس لیتی تھی، وہ اس عہد سے بہت آگے کی عورت تھی۔ ۲۱/اگست ۱۹۱۵ء میں عصمت کی ولادت ہوئی۔ وہ بہن بھائیوں میں دسویں نمبر پر تھیں۔ باپ مجسٹریٹ تھے۔ ان کی بڑی بہن زیادہ تر ان کی دیکھ بھال کرتی۔ اس کی شادی کے بعد اتنے بہن بھائیوں کے ہوتے ہوئے وہ تنہائی محسوس کرتیں۔ عصمت میں بغاوت کا عنصر شروع ہی سے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اتنے سارے بہن بھائیوں میں ان کو نظر انداز کرنا۔ ایک طرف اسلامی روایات، دوسری طرف مقامی ہندوستانی روایات جس میں عورت کو پردے کی پابندی کرنی پڑتی۔ لڑکوں کو مختلف کھیل کھیلتے دیکھ کر ان کا دل بھی چاہتا کہ وہ ان کھیلوں میں حصہ لے۔ گھڑ سواری کرنا، نشانہ لگانا، درختوں پر چڑھنا، گلی ڈنڈا کھیلنا، فٹ بال کھیلنا، غرض وہ سب کھیل جو لڑکے کھیلتے ان کا دل بھی چاہتا کہ وہ کھیل کھیلیں اور انھوں نے وہ کھیل کھیلے۔

اس وقت عام طور پر لڑکیوں کو زیادہ تعلیم نہیں دلوائی جاتی تھی بلکہ اوائل عمری میں ان کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا جاتا۔ عصمت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہونے لگا تو انھوں نے بغاوت کر دی اور کہا کہ وہ شادی نہیں کریں گی بلکہ اپنی تعلیم جاری رکھیں گی۔ ان کے گھر والے اس پر رضامند نہ تھے تب انھوں نے اپنے والد کو دھمکی دی کہ اگر ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع کیا گیا تو وہ عیسائی ہو جائیں گی۔ یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی شادی کا پروگرام بھی اس وقت ختم کر دیا گیا۔ جس کے لیے انھوں نے اپنے کزن سے مدد لی۔ اس طرح عصمت کی پڑھائی کا سلسلہ جاری رہا۔(۱)

عصمت اپنے عہد سے بہت آگے کی خاتون تھیں۔ انھوں نے پردے کی پابندی جوان کے زمانے میں بہت ضروری تھی، اس سے بھی چھٹکارہ پالیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب عصمت ابھی مصنفہ کے طور پر مشہور نہ تھیں۔ تعلیم مکمل کر کے ملازمت بھی کی۔ اس وقت افسانہ نگار کے طور پر مشہور ہوئیں جب بڑے بڑے اردو افسانہ نگار اس میدان کے شہ سوار

تھے۔سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر جیسے نامور لوگ افسانہ نگاری کے میدان میں اترے تھے۔ایسے میں ایک عورت کا ان کے برابر آنا بڑی بات تھی۔

عصمت چغتائی ترقی پسند لکھنے والوں کی صف میں شمار ہوتی تھیں۔انھوں نے ناول، افسانے، ڈرامے اور اپنی سوانح عمری بھی لکھی، خاکے بھی لکھے۔ان کی نثر کے موضوعات ہر طبقے سے وابستہ تھے مگر ان میں جو انفرادیت تھی وہ یہ تھی کہ وہ سچ لکھنے سے نہ گھبراتی تھیں۔وہ اپنے موضوع کے تقاضے کے پیش نظر کھل کر اپنی رائے کا اظہار اپنے کرداروں کے ذریعے کرتیں۔معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کا پردہ چاک کرتیں۔معاشرے کی قدروں کے مطابق جو باتیں چھپائی جاتیں اور سوائے منٹو کے باقی تخلیق کار جن پر پردہ ڈالتے وہ ان پر کھل کر اظہار کرتیں۔اسی سبب سعادت حسن منٹو اور ان کو فحش نگاری کے سلسلے میں مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے باوجود وہ باتیں جو مشرقی اقدار میں چھپائی جاتی ہیں ان پر کھل کر روشنی ڈالتیں۔اسی سبب عام قاری بھی ان کو فحش نگار سمجھتا۔معاشرے میں انسانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر صدائے احتجاج بلند کرتیں۔ان کی تحریریں جنسی لذت کے لیے نہیں بلکہ سماج سدھار کے لیے ہوتیں۔وہ مختلف کرداروں کے ذریعے ظالم رویوں کا پردہ چاک کرتیں۔(۲)

جب عورت نے شعور کی آنکھ کھولی۔اس کے گرد بہن بھائیوں کا ہجوم تھا۔باپ اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، گھر میں نوکر چاکر تھے، کسی چیز کی کمی نہ تھی۔عصمت کے ننھے سے ذہن نے گھر کے ماحول کو ایسے قبول نہ کیا جیسے ان کے باقی بھائی بہنوں نے کیا تھا۔وہ ہر لگے اصول وضوابط کی خلاف ورزی کرتی جو ان کے گھر میں رائج تھے۔بغاوت کا عنصر بچپن ہی سے ان کے اندر تھا۔پردے کو سخت ناپسند کرتی تھیں مگر مجبوراً انھیں پردہ کرنا پڑتا۔اپنے پردہ ختم کرنے کا واقعہ اپنی سوانح عمری ''کاغذی ہے پیرہن'' میں نہایت دلچسپ انداز میں بیان کرتی ہیں۔اپنے بھائی کی بارات میں، ٹرین کا سفر کرتے ہوئے جب منزل مقصود پر پہنچیں تو اس سے پہلے ہی انھوں نے اپنا برقع چھپا دیا جس سے وہ برقع پہننے سے بچ گئیں۔(۳)

علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھائی مکمل کرنے کے بعد جودھ پور میں ملازمت کی۔اس کے بعد سکول انسپکٹرس بن کر بمبئی آ گئیں۔یہیں ان کی ملاقات شاہد لطیف سے ہوئی۔جن سے ان کی شادی ہوئی۔جب شاہد لطیف سے شادی کا موقع آیا تو انھوں نے خود کئی بار اسے کہا مجھ سے بچ جاؤ۔مجھ سے شادی نہ کرو مگر ان کی شادی ہوگئی۔

عصمت کی شاہد لطیف سے شادی پر ان کے گھر والے ان سے سخت ناراض ہوئے، ان کا بائیکاٹ کر دیا۔شاہد لطیف بڑی کمٹ منٹ والے تھے، انھوں نے اس شادی کو خوب نبھایا۔عصمت اپنی شادی سے مطمئن تھیں۔انھوں نے شوہر کے ساتھ خوشگوار زندگی گزاری۔

عصمت نے بطور افسانہ نگار بڑا نام پایا۔ان کے افسانوں کے موضوعات، کردار اور ماحول عام افسانہ نگاروں سے بالکل ہٹ کر تھا۔عصمت نے جو پہلا افسانہ لکھا اس کا نام ''گیندا'' ہے۔اس افسانے میں بچپن کی معصوم سوچیں اور بچوں کے کھیل جیسے لڑکیاں خاص طور پر گڈے گڑیوں کا بیاہ کرتی ہیں مگر یہاں خود لڑکیاں ہی شادی کا کھیل کھیل رہی ہیں۔گیندا کی بچپن کی شادی، اس کا بیوہ ہونا پھر ان کے گھر میں قیام کرنا۔یہ باتیں افسانے کا حصہ ہیں۔ملازمہ بیوہ کے ہاں بچے کا پیدا ہونا۔اسے بیان کرنا کافی مشکل ہے۔معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں سے پردہ ہٹانا عصمت ہی کا کام تھا۔گھر کے بیٹے کو بس یہی سزا

دی گئی کہ اسے گھر سے دور پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔اس افسانے میں لکھتی ہیں:

''اے ہے وہ تو مارے ڈالتا تھا، بڑی آفتیں اٹھیں۔ بیوی نے کہا۔ میں نے فوراً اسے دہلی چلتا کیا۔ پڑھنے والا بچہ! یہ نیچ ذات کمینیاں شریفوں کو یونہی۔۔۔اور پھر باوجود سانس روک کے سننے کے میں آگے نہ سمجھ سکی۔''گیندا کا بچہ''۔میں بستر پر لیٹی رہی بار بار دہرانے لگی۔ مجھے حیرت پہ حیرت تھی۔مگر یہ بچہ!۔۔۔آخر کیوں؟''۔وہ تو اگر سرکار کو خبر ہو جاتی تو جانے کیا ہوتا۔اسی لیے میں نے اسے جلدی سے دفعان کیا۔ مجھے بیوی کی آواز پھر سنائی دی۔''(۴)

اپنی تحریروں میں عصمت نہایت بہادر، بے باک، نڈر اور معاشرے کی لگی بندھی روایات سے باغی نظر آتی ہیں۔ جہاں انھیں کسی کے ساتھ زیادتی ہوتی نظر آتی ہے خم ٹھونک کر، انجام سے بے پروا، میدان میں اتر آتی ہیں۔مظلوم کی حمایت میں ہر وقت کمر بستہ نظر آتی ہیں۔اپنے ایک افسانے''اللہ کا فضل''میں معاشرے کی غریب لڑکیوں کی زندگی کی عکاسی کی ہے اور والدین کے رویے بھی بتائے ہیں۔لڑکی کی عمر صرف بائیس تیئیس سال ہے مگر دولت دیکھ کر شادی شدہ مرد سے شادی پر تیار ہو جاتے ہیں۔عصمت لکھتی ہیں:

''لڑکا ماشا اللہ سے ساٹھ پینسٹھ کا ہو، ایک بیوی اور چار لڑکیاں ہیں پر بیٹا نہیں۔ بیٹے کے لیے فرحت سے شادی کی تھی سو اس کے نصیب پر پتھر پڑ گئے۔ چھٹا سال چل رہا ہے۔ بیٹا چھوڑ بیٹی ہی نصیبوں جلی ہو جاتی۔ پھل تو لگتا، لیکن وہاں بھولے کو دن بھی نہ چڑھے۔ کتنے تعویز گنڈے کیے۔اجمیری خواجہ نے بھی سکینہ دکھیا کہ نہ سنی۔''(۵)

عصمت چغتائی اپنے افسانوں میں انسانوں کے رویوں میں تضاد کو کھل کر بیان کرتی ہیں۔وہ زخموں پر پردہ ڈالنے کی بجائے چاہتی ہیں کہ ان کا علاج کیا جائے اور زخم ناسور بننے کی بجائے ختم ہو جائیں اور انسانوں کی زندگی میں آسانیاں پیدا ہوں۔اپنے ایک افسانے''بہو بیٹیاں''میں رشتوں کے تقدس کی کئی طرح دھجیاں اڑائی جاتی تھیں۔یوں بیان کرتی ہیں:

''میاں کا ایک دوسرے اعلیٰ افسر کی بیوی سے مشہور معروف قسم کا عشق چل رہا ہے اور بیوی اس کے ایک ہم عصر سے مانوس ہے۔جس کی بیوی اپنی سہیلی کے میاں سے اٹکی ہوئی ہے۔ یہ سہیلی ایک سارجنٹ کے دام الفت میں گرفتار ہے، جس کی اپنی بیوی ایک بوجھل سے سیٹھ کے پاس رہتی ہے۔جس کی پرانی چیچک رو بیوی منیجر سے الجھی ہوئی ہے۔جو اینگلو انڈین لڑکیوں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔''(۶)

معاشرے میں عورت کے گھر سے باہر کام کرنے پر تعصب پایا جاتا ہے کئی ایک گھروں میں تو عورت کو مجبوری میں نوکری کرنا پڑتی ہے اور کئی اپنی صلاحیتوں کا استعمال چاہتی ہیں۔اپنی شخصیت کو نکھارنا چاہتی ہیں اور اکثر مرد حضرات سے بیوی کی نوکری برداشت نہیں ہوتی خود وہ اس نوکری کے فوائد سے سرخرو ہوتے ہیں لیکن معاشرے میں ان کے دوست احباب ان کا جینا محال کر دیتے ہیں:

''جب سے بیوی کو نوکری ملی تھی۔باقر میاں کا عجب حال تھا۔نہ اُگلے بنتی تھی نہ نگلے، بس

چلتا تو بیوی کو ایک پل نوکری نہ کرنے دیتے ۔یار دوست مذاق ہی مذاق میں چٹکیاں بھرتے ۔یار عیش ہیں تمھارے تو ۔مزے سے جورو کما کے لاتی ہے ۔بیٹھ کے کھاتے ہو۔ یہاں بیگم کا ہماری وہ نخرہ ہے کہ معاذ اللہ! ہل کے پانی نہیں پیتیں ۔آئے دن زیور اور کپڑے کی فرمائش ۔یار سچی بات تو یہ ہے کہ اپن کو بھی یہ آزاد قسم کی بیوی پسند نہیں ۔اماں عورتوں کا مصرف تو یہی ہے کہ مرد کا جی خوش کرے ۔زیور کپڑے کی فرمائش کرنا تو اس کا حق ہے ۔سالا وہ بھی کیا مرد جو عورت کو زیور کپڑے کو ترسائے ۔دوسرے صاحب فرماتے ۔بھئی تمھارا ہی جگرا ہے جو بیوی کو تیرے میرے پاس بھیج دیتے ہو یار، قسم خدا کی میں تو خودکشی کر لوں پر یوں جورو کے ٹکڑوں پر مجھ سے نہ اینڈا جائے ۔''(۷)

عصمت چغتائی صرف انسانی مسائل کا ذکر ہی نہیں کرتیں بلکہ موسموں پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں ۔اپنے ایک افسانے ''بے کنڈی کی پیالی میں'' لکھتی ہیں:

''کیا غضب کی سردی تھی ۔برف کی سلاخیں جسم کے آر پار ہوئی جاتی تھیں ۔گرمی میں تو جوہڑ میں ڈبکی لگاؤ ائیر کنڈیشن کا مزہ لے لو۔مگر جاڑہ تو خدا نے صرف انسانوں کو عذابِ دوزخ کا عادی بنانے کے لیے بھیجا ہے ۔سورج کی انگیٹھی جب تک روشن رہتی ہے، زندگی چین کا جھولا جھولتی ہے ۔مگر چار بجے سے سورج دم توڑنے لگتا ہے ۔دھوپ ہوتی ہے مگر ٹھنڈی ۔پھر ہَوا بھی سراتی ہے ۔ہر مسام سے برف کی سوئیاں اندر اتر جاتی ہیں اور ہڈیوں میں بیٹھنے لگتی ہیں ۔جان پڑتا ہے ناک منہ پر ہے ہی نہیں ۔اور جو ہے، سو کوئی دم میں برف کی ڈلی بن کر کھٹ سے گر جائے گی ۔پانی بچھو کی طرح ڈنک مارتا ہے ۔''(۸)

مشرقی روایات میں لڑکا لڑکی شادی سے پہلے کسی طرح کے تعلقات نہیں رکھتے ۔اگر شادی کے بندھن سے پہلے لڑکا لڑکی آپس میں ملنا جلنا رکھیں تو معاشرے میں اس کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ ان تعلقات کے نتیجے میں اگر تیسرا وجود ان کے درمیان میں آجائے تو معاشرہ، ماں باپ، رشتہ دار کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرتا اور لڑکا مخلص نہ ہو اور پہلے سے شادی شدہ ہو تو لڑکی کے لیے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو جاتی ہے ۔عصمت اپنے ایک افسانے ''پہلی لڑکی'' میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں:

''کاش طلاق لے سکتا ۔ہماری سول میرج ہوئی تھی، دوسرے میرے اُوپر اتنا قرض ہو گیا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا ۔یہ قرضہ کسی طرح چک جائے، پھر میں کوئی نوکری تلاش کروں گا، پھر تم کھلے بندوں میری ہو جاؤ گی ۔دوسری صورت کے لیے بھی تم تیار نہیں ہوئیں ۔ڈاکٹر میرا دوست ہے ۔مگر اب تو بہت دیر ہو گئی میری جان ۔آپ مجھ سے بور ہو چکے ہیں، پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں ۔مریم رونے لگیں ۔یہ تمھارا وہم ہے بے بی ۔''(۹)

ان کے ایک اور افسانے ''کنواری'' کا بھی یہی موضوع ہے ۔

ہندوستان سے انگریزوں کا جانا جہاں خوش کُن تھا وہاں اس ملک کی تقسیم ہونے کے دوران میں ہونے والے واقعات ایسے ہیں کہ ان کو یاد کر کے آج بھی دل دہلتا ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے ہندو مسلم فسادات شروع ہو چکے تھے۔ بعد میں جب دونوں طرف کے لوگ فسادات کی بدولت نقل مکانی کرنے لگے۔ ان فسادات میں سکھ بھی شامل ہوئے اور انسانوں کو بڑے بھیانک حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس وقت کے زخم آج بھی تازہ ہیں۔ وہی لوگ جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، آپس میں پیار محبت سے رہتے تھے مگر جب تقسیم کا وقت آیا تو ان کے رویے کیسے بدلے اس ضمن میں عصمت اپنے ایک افسانے ''جڑیں'' میں لکھتی ہیں:

> ''بہت سی زبانوں کے آگے صرف اماں کی زبان گنگ رہی۔ آج سے نہیں وہ پندرہ اگست سے جب ڈاکٹر صاحب کے گھر پر ترنگا جھنڈا اور اپنے گھر پر لیگ کا جھنڈا لگا تھا، اسی دن سے ان کی زبان کو چپ لگ گئی تھی۔ ان دونوں جھنڈوں کے درمیان میلوں لمبی چوڑی خلیج حائل ہوگئی جس کی بھیانک گہرائی کو وہ اپنی غمگین آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر لرزا کرتیں۔ پھر شرنارتھیوں کا غلبہ ہوا۔ بڑی بہو کے میکے والے بہاول پور سے مال لٹا کر اور بمشکل جان بچا کر جب آئے تو خلیج کا دہانہ چوڑا ہو گیا۔ پھر راول پنڈی سے جب نرملا کے سسرال والے نیم مردہ حالت میں آئے تو اس خلیج میں اژدھے پھنکاریں مارنے لگے۔ جب چھوٹی بھابھی نے اپنے بچے کا پیٹ دکھانے کو بھیجا تو شیلا بھابھی نے جلدی سے نوکر کو بھگا دیا؟''(۱۰)

سماجی مسائل کو بیان کرنے میں عصمت کو ملکہ حاصل تھا۔ وہ بڑے فطری انداز میں کرداروں کو سامنے لاتیں۔ گفتگو کراتیں۔ منظر کشی میں بھی انھیں مہارت حاصل تھی۔ اتنے سادہ اور خوب صورت انداز میں تصویر کشی کرتیں کہ لگتا جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہی ہو رہا ہے۔ فطری دلکشی کو بیان کرنے میں ان کا قلم کوئی لحاظ نہ کرتا۔ اسی سبب سے ان پر فحش نگار ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ان کو اپنے ایک افسانے ''لحاف'' کی وجہ سے مقدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے لیے ان لمبا سفر اختیار کر کے عدالت میں آنا پڑا۔ افسانہ ''لحاف'' میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

> ''مگر بیگم جان سے شادی کر کے تو وہ انھیں کل ساز و سامان کے ساتھ ہی گھر میں رکھ کر بھول گئے اور وہ بے چاری دبلی پتلی نازک سی بیگم تنہائی کے غم میں گھلنے لگی۔ نہ جانے ان کی زندگی کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ وہاں سے جب وہ پیدا ہونے کی غلطی کر چکی تھیں یا وہاں سے جب وہ ایک نواب کی بیگم بن کر آئیں، اور چھپر کھٹ پر زندگی گزارنے لگیں یا جب سے نواب صاحب کے یہاں لڑکوں کا زور بندھا، ان کے لیے مرغن حلوے اور لذیز کھانے جانے لگے اور بیگم جان دیوان خانے کی درزوں سے ان کی لچکتی کمروں والے لڑکوں کی چست پنڈلیاں اور معطر باریک شبنم کے کرتے دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے لگیں۔''(۱۱)

انیسویں صدی کی وہ افسانہ نگار خواتین جو اپنے نام تک پوشیدہ رکھنے کے لیے اپنے ناموں کے مخفّات کا استعمال کرتی تھیں، عصمت چغتائی نے نہ صرف نسائی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا بلکہ ان خواتین کو بھی حوصلہ دیا کہ وہ مرد افسانہ

نگاروں کے مقابلے میں اردو ادب کے فروغ میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

حوالہ جات

۱۔ جگدیش چندر ودھاون، عصمت چغتائی: شخصیت اور فن، دہلی (ناشر مصنف) ۱۲۶۔ مکرجی نگر ایسٹ، ۱۹۹۶ء

۲۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، عصمت چغتائی: شخصیت اور فن، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، دسمبر ۱۹۹۲ء

۳۔ عصمت چغتائی، کاغذی ہے پیرہن، نئی دہلی: ڈائریکٹر پبلی کیشنز ڈویژن، وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند، بار اول، اکتوبر ۱۹۹۴ء

۴۔ عصمت چغتائی، عصمت چغتائی کے سوافسانے، لاہور: مکتبہ شعر وادب، س ن، ص ۳۶

۵۔ ایضاً، ص: ۸۵

۶۔ ایضاً، ص: ۲۸۳

۷۔ ایضاً، ص: ۳۳۷

۸۔ ایضاً، ص: ۳۵۸

۹۔ ایضاً، ص: ۴۰۶

۱۰۔ ایضاً، ص: ۵۶۳

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۱۸۶

☆.....☆.....☆